فلسفہ و حکمت

فلسفہ کے بنیادی مسائل اور قرآن حکیم

تحریر : پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم

یہ مقالہ چھٹی سالانہ قرآن کانفرنس کراچی (منعقدہ مارچ ۱۹۷۹ء) میں مزید زبانی توضیحات کے ساتھ پیش کیا گیا۔ قارئین کی سہولت کے لئے قرآنی آیات کا ترجمہ بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

۱) مَیں نے غالباً ۱۹۱۷ء میں لارڈ بیکن کا یہ قول پڑھا تھا: ''فلسفے کا تھوڑا علم انسانی ذہن کو الحاد کی طرف لے جاتا ہے' لیکن فلسفے کا گہرا مطالعہ انسانی ذہن کو مذہب کی جانب مائل کر دیتا ہے!''

۲) دنیا کی تمام مذہبی کتابوں میں صرف قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جس نے ہستیٔ باری تعالیٰ پر جس قدر عقلی براہین ممکن ہیں' سب پیش کی ہیں۔ چونکہ آنحضور ﷺ نے منطق' فلسفہ اور کلام نہ کسی استاد سے پڑھا تھا' نہ اس فن کی کوئی کتاب خود پڑھی تھی' نہ کسی فلسفی سے آپ کا کوئی رابطہ تھا' اور نہ آپؐ یونانی یا سنسکرت جانتے تھے اور نہ حجاز میں کوئی ان زبانوں کا جاننے والا تھا' اور نہ توریت یا زبور یا انجیل میں ہستیٔ باری تعالیٰ پر کوئی دلیل دی گئی ہے' اس لئے یہ بات بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن آپ ﷺ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ تنزیلٌ من اللّٰہِ الحکیمِ الحمیدِ ہے۔

۳) جن لوگوں نے خدا کا انکار کیا' انہوں نے یہ دلیل دی کہ وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا' عقل کی گرفت میں نہیں آتا۔ لیکن یہ دلیل معقول نہیں ہے' کیونکہ سمجھ میں نہ آنا کسی شے کی نفی یا اس کے عدم کی دلیل نہیں۔ ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ ہم کیونکر

دیکھتے ہیں اور کیونکر سنتے ہیں اور کیسے گزشتہ واقعات کو یاد رکھتے ہیں' لیکن ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم یاد رکھتے ہیں۔

یہ دلیل کہ ہمارے اندر مادّے کے علاوہ ذہن بھی ہے اور یادداشت اس کا ایک وظیفہ ہے۔ اور جن لوگوں نے الحاد کے بجائے مادیت کو اختیار کیا ہے وہ آج تک یہ ثابت نہیں کر سکے کہ مادّے میں حرکت اور شعور کہاں سے اور کیسے پیدا ہو گیا۔ فلسفے کا قانون یہ ہے کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی' عدم سے وجود نہیں ہو سکتا' تو بے شعور سے شعور کیسے سرزد ہوا؟ اکبر کا شعر ہے ؎

دعویٰ ہے خرد کا تم کو لیکن یہ کہو
پیدا ہوا مادّے میں کیونکر یہ شعور!

تمام منکرین نے somehow کہہ کر جان چھڑائی ہے[1] ' مگر ان کی جان قیامت تک نہیں چھوٹ سکتی۔ جین دھرم اور سانکھ درشن دونوں منکر خدا ہیں اور دونوں نے somehow کے دامن میں پناہ لی ہے' مگر پناہ ہرگز نہیں مل سکتی' کیونکہ ہمارے سوال کی تلوار اُن کے سر پر لٹک رہی ہے' یعنی جب نفسِ ناطقہ مدرک ہے تو اُس نے صاحبِ شعور ہو کر مادّے کی قید میں گرفتاری کو کیسے قبول کر لیا؟ جب کہ کوئی ذی ہوش کسی کی قید ایک لمحے کے لئے گوارا نہیں کرتا۔ ضرور کوئی تیسری طاقت ہے جس نے انہیں مربوط کر دیا ہے اور وہ خدا ہے' اگر نظر نہیں آتا تو آتما بھی تو نظر نہیں آتی۔ تم جو دلیل آتما کے وجود پر دو گے وہی دلیل ایشور کی ہستی ثابت کر دے گی۔

فلسفے کے بنیادی مسائل دو ہی ہیں۔ پھر ان سے بہت سے مسائل متفرع ہو گئے ہیں' مسئلۂ وجود اور مسئلۂ علم۔ یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ پہلی وحی میں انہی دو بنیادی مسئلوں کا جواب دیا گیا ہے:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۞﴾

---

(۱) سانکھ درشن سے لے کر بریڈلے تک سب لوگ somehow میں پناہ لیتے ہیں۔ کیسے پیدا کی؟ کیوں؟ کب؟ ان سب کا جواب یہ ہے: somehow

''پڑھو (اے نبیؐ!) اپنے ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔ پڑھو اور تمہارا ربّ بڑا ہی کریم ہے' جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ اُس نے انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہ جانتا تھا''۔

اپنے ربّ کے نام سے آئندہ علوم بذریعہ وحی حاصل کرو! یعنی وجود کا منبع (origin) بھی خدا ہے اور علم کا مصدر (source) بھی خدا ہے' اس نے اپنی مرضی سے انسان کو خلعتِ وجود عطا کیا اور اُسی نے اپنی مرضی سے انسان کو زیورِ علم عطا کیا۔

۱) ہستیٔ باری تعالیٰ کا ثبوت

فلسفے میں اب تک کونیاتی' غائیتیاتی' کائناتی اور اخلاقی دلائل مدوّن ہوئے ہیں۔ قرآن نے ان چاروں کے علاوہ تاریخی اور وجدانی دلائل بھی پیش فرمائے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں:

۱) قرآن مجید نے حکم دیا کہ جس بات کا علم نہ ہو اُس کا اتباع مت کرو۔ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (بنی اسرائیل: ۳۶) غور کرو اس آیت میں کس قدر عظیم الشان حکمت کی تعلیم دی گئی ہے۔ پس ہمیں ہستیٔ باری تعالیٰ کا بھی علم حاصل کرنا چاہئے' یعنی خود اللہ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ انسان کو محض تقلیداً ایمان نہیں لانا چاہئے بلکہ خود علم یا یقین حاصل کرنا چاہئے تاکہ ایمان میں پختگی کی شان پیدا ہو جائے۔

۲) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنی ہستی پر جس قدر دلیلیں ہو سکتی ہیں' سب پیش کر دی ہیں۔ مَیں نے ۱۹۳۴ء میں '' The Quran and the Ultimate Reality '' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ لکھا تھا جو ''مسلم ریوائیول'' کے پچاس ساٹھ سے زائد صفحات کو محیط تھا۔ ظاہر ہے میں اسے یہاں نقل نہیں کر سکتا۔

سب سے پہلی دلیل: قرآن نے منکروں سے دو سوال کئے ہیں:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ﴾

''کیا یہ غیر شے سے (یعنی عدم سے خالق کے بغیر) پیدا ہو گئے ہیں (موجود ہو گئے ہیں) یا یہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟''

نوٹ: قرآن کا یہ اسلوبِ بیان قابلِ غور ہے کہ وہ دنیا جہان کی علمی' منطقی اور

سائنٹیفک بحثیں کرتا ہے' مگر فلاسفہ کی مصطلحات قصداً استعمال نہیں کرتا۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) پھر عوام قرآن کو نہ سمجھ پاتے۔ (۲) مخالفین یہ کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ مصطلحات حکمائے یونان سے مستعار لی ہیں۔ منطق میں اسے حصرِ عقلی کہتے ہیں۔ یعنی عقلاً تیسری صورت ممکن نہ ہو۔

(۱) غیر شی (معدوم) سے شے (موجود) کا صدور محال ہے۔

(۲) ذات پر تقدم (تقدم الشی علیٰ نفسہٖ) بھی محال ہے۔ تو عقلاً ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ انسان کسی شے سے وجود میں آیا ہے۔ یعنی کسی شے نے اسے پیدا کیا ہے۔ مَیں نے عرصہ ہوا ۱۹۱۲ء میں الٰہیات پر ایک کتاب پڑھی تھی' اس کا ایک فقرہ اب تک یاد ہے: something exists today یہ ایک صداقت ہے تو پھر: something has existed from eternity کیونکہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی ـــــ اب بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ وہ شے ذہن یا مادّہ ہے؟ لیکن اربابِ علم جانتے ہیں کہ مادّے سے ذہن وجود میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ ذہن میں ایک چیز ایسی ہے جو مادّے میں نہیں ہے اور وہ ہے شعور۔ برگسوں نے اس پر ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھ دی: "Matter and Memory" جس میں اس نے ثابت کر دیا کہ حافظہ تو ذہن کا وظیفہ ہے نہ کہ مادّے کا۔ دو سو صفحات کی کتاب کا خلاصہ اکبر نے ایک شعر میں پیش کر دیا ہے ؎

دعویٰ ہے خرد کا تم کو لیکن یہ کہو
پیدا ہوا مادّے میں کیونکر یہ شعور؟

اور ؎

غور سے دیکھو زمین و آسماں کو منکرو!
چل بھی سکتا بے خدا کے انتظام اتنا بڑا؟

۲) دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ انسان کہاں سے آیا؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ بھی خدا کی طرح قدیم یا واجب ہے؟ اللہ نے اس کا بھی حتمی جواب دیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ۚ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾

(فاطر:۱۵)

''لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف' اور اللہ تو غنی وحمید ہے۔''

غنی کا مطلب ہے موجود' یعنی واجب الوجود۔ یہاں بھی مصطلحاتِ فن سے اجتناب فرمایا ہے۔

۳) علت اور معلول کا سلسلہ لامتناہی نہیں ہوسکتا' کیونکہ یہ بات خلافِ عقل ہے۔ تو علت اولیٰ لازمی ہے اور وہ اللہ ہے' اللہ علت العلل ہے: ﴿وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی ﴾ (النجم:۴۲) اقبال کی رائے میں یہ قرآن کی عمیق ترین آیت ہے' میری رائے میں ایسی آیت پہلی ہے' لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ دونوں عمیق ترین اور نہایت بصیرت افروز آیات ہیں۔

حکمت کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت کو ''خیر کثیر'' قرار دیا ہے جسے ہم خیر اعلیٰ بھی کہہ سکتے ہیں۔ خیر کی ضد شر ہے۔ قرآن پہلی مذہبی کتاب ہے جس نے حکمت کو خیرِ کثیر قرار دیا اور اس کی تحصیل کو مسلمان کا فرضِ منصبی قرار دیا۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی' بگیر!

حکمت کے معنی ہیں اشیاء کی حقیقت کا ادراک کرنا۔ حضور ﷺ کی دعا ہے: ''اے اللہ! مجھے حقائقِ اشیاء کا علم عطا فرما!''

قرآن پہلی مذہبی کتاب ہے جس نے مطالعۂ کائنات اور مشاہدۂ فطرت کو عقل مندوں (اولوا الالباب) کی شناخت قرار دیا۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (آل عمران: ۱۹۰'۱۹۱)

"یقیناً زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری
آنے میں بہت سی نشانیاں ہیں صاحبانِ خرد کے لئے۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں
اٹھتے' بیٹھتے اور لیٹتے (ہر حال میں) اور زمین و آسمان کی ساخت میں غور وفکر
کرتے ہیں"۔

ذکر: عشق ومحبت اور فکر: عقل وخرد۔

اسلام یا قرآن نے زندگی کے چار مقاصد قرار دیئے ہیں: مادّی' جذباتی' اخلاقی' روحانی۔ اسلام نے رہبانیت کو اسی لئے ممنوع قرار دیا کہ وہ زندگی کے صرف ایک پہلو (روحانی) کو مقصود بناتی ہے۔ صدق' خیر اور جمال خدا کی شئونِ ثلاثہ ہیں۔ ان سے علم' قوت اور سعادت کا حصول ہوتا ہے۔

فلسفے کی غرض و غایت کیا ہے؟ یہ معلوم کرنا کہ: (۱) کائنات کی اصلی بنیاد کیا ہے؟
(۲) انسانی زندگی کا اصلی مفہوم اور مقصد کیا ہے؟

قرآن نے اِن بنیادی مسئلوں کا بھی جواب دیا ہے:

(۱) کائنات کی اصلی بنیاد اللہ ہے۔

(۲) انسانی زندگی کا مفہوم وہ زندگی ہے جس کے سامنے کوئی آئیڈیل ہو۔ انسانی زندگی کا مقصد اس آئیڈیل کا حصول ہے۔ وہ نصب العین خدا ہے' لہٰذا مقصدِ حیات یہ ہے کہ انسان اپنے اندر خدائی صفات پیدا کرے یا بقولِ قرآن اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے' یا بقولِ رسول ﷺ اپنے اندر اخلاقِ ایزدی پیدا کرے۔

ساری دنیا کی مذہبی کتابیں پڑھ جاؤ' یہ بات کسی نے نہیں کہی کہ دلیل لاؤ۔ قرآن نے انسانی ذہن کو توہمات' رسومات اور تحکمانہ عقائد اور احبار پرستی' شخصیت پرستی اور رسوم پرستی سے پاک کر کے غور وفکر یعنی سائنس کی ترقی کا دروازہ کھول دیا۔ اسلام سے پہلے علم صرف پنڈتوں اور پادریوں کی جاگیر تھا۔ قرآن نے اس نور کو نورِ آفتاب کی طرح عام کر دیا۔ قرآن نے انسان کو ذہنی غلامی سے آزاد کیا: ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۞﴾ "لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو"۔ ساری دنیا بے

دلیل عقائد کی لعنت میں گرفتار تھی۔ قرآن نے مژدۂ جانفزا سنایا: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ یعنی جس بات کا علم نہ ہو اُس کی پیروی مت کرو!

تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ قرآن نے کائنات میں غور وفکر کی دعوت دی۔ یہ پہلی اور آخری مذہبی کتاب ہے جس نے یہ کہا کہ اللہ کی ہستی کا ثبوت تمہارے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے: ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حم السجدۃ:۵۳) ''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی' یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہی بات حق ہے!'' اور جب قرآن حق ہے تو کوئی اس کا نازل کرنے والا بھی ہے اور وہ بھی حق ہے۔ عوام الناس کے لئے یہ دلیل دی: ﴿اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (ابراہیم:۱۰) ''کیا اللہ کی ہستی میں شک ہوسکتا ہے؟ وہی تو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے!''

قرآن دنیا میں پہلی مذہبی کتاب ہے جس نے صاحبانِ عقل وفہم وذکر وفکر کو کائنات میں تعقل' تفکر' تدبر اور تفقہ کی دعوت دی۔ قرآن کی عظمت کا اندازہ صرف مذاہبِ عالم کی مذہبی کتابوں کے تقابلی مطالعے سے ہوسکتا ہے۔ پاکستان میں سب کچھ ہے لیکن کسی یونیورسٹی میں مذاہبِ عالم کے تقابلی مطالعے کا کوئی شعبہ نہیں ہے۔

آیئے! عیسائیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کی چند ابتدائی سطروں کا تقابلی مطالعہ کرلیں: ۔

خوش بود گر محکِ تجربہ آید بمیاں
تا سیہ روے شود' ہر کہ دروغش باشد

(۱) رگ وید: اگنی میلے پروہتم رجنا سیا دیوا رَتی وجم' ہوتا رم رتنا دھا تامم

(۲) متی کی انجیل: خداوند یسوع مسیح کا نسب نامہ —— لیکن یہ تو خداوند کا شاگرد بیان کر رہا ہے' خود خداوند نے ہمیں کیا پیغام دیا؟

﴿الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا
اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ
عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞

''الف' لام' میم ۔ یہ کتاب ہے جس (کے کلامِ الٰہی ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیز گاروں کے لئے۔ جو کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا اور قائم رکھتے ہیں نماز اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور ان کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں' اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں۔ وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

آغاز ہی میں سب کچھ یا تمام ضروری سوالات کے جوابات دے دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ خیر اعلیٰ کیا ہے؟ لیکن نسب نامے سے کتاب یا صاحبِ کتاب کا تعارف نہیں ہوتا۔

اسی طرح توریت کا آغاز: براشیت بارا الوھیم ھا ارض و الشمائیم مگر اس سے کتاب کا تعارف نہیں ہوتا۔

نزولِ قرآن سے پہلے سائنس کا نام لینا بھی سارے مسیحی یورپ میں جرم تھا۔ راجر بیکن جب قرطبہ سے سائنس (طبیعیات' کیمیا اور حیاتیات) پڑھ کر انگلستان آیا تو انگریزوں نے اسے جادوگر کا لقب دیا۔ رومن کیتھولک کلیسا نے ہزاروں سائنس دانوں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ جلانے میں ''حکمت'' یہ تھی کہ اگر ایک جادوگر کا خون زمین پر گرے گا تو ''دھرتی ماتا'' ناپاک ہو جائے گی۔ صرف اسپین میں ۳۵ ہزار حکماء اور فلاسفہ کو زندہ جلا دیا گیا اور سارے یورپ میں کئی لاکھ بے گناہوں کو۔ اب رہا ہندوستان تو یہاں فلسفہ تو تھا مگر سائنس نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام الناس میں تمام عناصر فطرت سورج' چاند' ستارے' زمین' ہوا' افلاک' شفق' دریا' پہاڑ' حتیٰ کہ اعضائے جسمانی تک کی پرستش کی جاتی تھی' تو ان کے بارے میں مشاہدہ و تجربہ کیسے ہوتا؟ سورج اور آگ تو سب سے بڑے دیوتا تھے۔ قرآن اللہ کے نام سے شروع ہوتا

ہے، رگ وید اگنی (آتش) کے نام سے شروع ہوتا ہے۔

یہ قرآن ہی تھا جس نے دنیا کو سب سے پہلے یہ بتایا کہ تمام عناصر فطرت تمہارے خادم ہیں، اگنی پروہت اعظم نہیں ہے، تمہاری خادمہ ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۞﴾ (ابراھیم: ۳۳)

''اور مسخر کر دیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو کہ لگا تار چلے جا رہے ہیں، اور مسخر کر دیا تمہارے لئے رات اور دن کو۔''

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ﴾ (الحج: ٦٥)

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر کیا ہے جو زمین میں ہے؟''

پندرہ سے زائد آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ کائنات میں جو کچھ ہے تمہارے خادم ہیں، مخدوم نہیں ہیں، تمہارے مطیع ہیں، فرمانبردار ہیں، معبود یا مسجود نہیں ہیں۔ بے شک آج ہم اس انقلابِ ذہنی کا اندازہ نہیں کر سکتے جو قرآن نے آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں دنیا میں پیدا کر دیا۔

میرا دعویٰ ہے کہ قرآن کے سوا کسی مذہبی کتاب نے باطن (ذہن) اور خارج (عالمِ رنگ و بو) میں اتنا بڑا انقلاب پیدا نہیں کیا جتنا قرآن نے۔ اس محدود وقت اور مقالے میں تمام مذاہب سے مثالیں دینا تو ناممکن ہے، مَیں صرف بودھ دھرم کو پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کرتا ہوں:

۱) بودھ دھرم نے کہا خدا نہیں ہے۔ تو اس سے پہلے سانکھ درشن اور چارواک مت نے یہ تعلیم دی تھی۔ بودھ نے کیا انقلاب پیدا کیا؟

۲) بودھ دھرم نے کہا کہ آتما نہیں ہے، تو چارواک نے اس سے پہلے یہ تعلیم دی تھی۔

۳) بودھ دھرم نے کہا کہ دنیا دکھ ہے تو ہر ہندو فلسفے اور اس سے پہلے جین دھرم نے یہ تعلیم دے دی تھی۔

۴) بودھ دھرم نے کہا کہ دنیالائقِ ترک ہے' رہبانیت' تیاگ' ویراگ اور سنیاگ اختیار کرو' تو سارے ہندو اور جین یہی کہتے تھے۔ اور تو اور متھرا ازم' عیسائیت' مینکی ازم اور باطنیت سب کہتے تھے کہ مادّہ ناپاک ہے' جسم ناپاک ہے' دنیا ناپاک ہے' نکاح ناپاک ہے' عورت ناپاک ہے۔ کتنا بڑا انقلاب پیدا کیا قرآن نے کہ نہ مادّہ ناپاک ہے' نہ جسم ناپاک ہے' نہ عورت ناپاک ہے' نہ نکاح کرنا بری بات ہے۔

(ل) ذرا موازنہ تو کرو یسوعؑ کی تعلیم سے کہ ''مبارک وہ ہیں جو آسمانی بادشاہت کے لئے اپنے آپ کو خصی کرلیں اور عورت سے اجتناب کریں''۔

(ب) ذرا موازنہ تو کرو سدھارتھ گوتم بدھ کی تعلیم سے کہ: ''اگر عورت نظر آجائے تو آنکھیں بند کرلو' وہ پاس آجائے تو مُنہ پھیرلو' عورت سے بچو جس طرح سانپ سے بچتے ہو۔

(ج) موازنہ تو کرو جین دھرم سے کہ ''عورت چونکہ ہر وقت جیو ہتیا کرتی رہتی ہے اس لئے وہ کامل نجات حاصل نہیں کرسکتی۔ سورگ (جنت) کی چوبیس سیڑھیاں ہیں' وہ سولھویں ہی پر رہ جاتی ہے!''

اب دیکھو کہ قرآن نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر عزت کے آسمان پر پہنچا دیا۔ یہ زندگی کے صرف ایک شعبے میں انقلاب ہے۔ یقین کرو قرآن نے حیاتِ انفرادی اور حیاتِ اجتماعی کے ہر شعبہ میں انقلاب برپا کردیا' اور خصوصاً اپنی حکیمانہ تعلیمات کی وجہ سے۔

قرآن پہلی کتاب ہے جس نے برہان کو کسی دعوے کی صحت کا معیار بنایا۔ اسلام سے پہلے دنیا کے تمام مذاہب برہان کے نام سے ناآشنا تھے۔ ہندومت' جین مت' بدھ مت' زرتشتیت' مینکی ازم' متھرا ازم' باطنیت' یہودیت اور عیسائیت' ان میں سے کسی مذہب نے مخالفین سے یہ نہیں کہا کہ: ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞﴾' نہ یہ کہا کہ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾' نہ یہ کہا ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۞﴾ اور نہ یہ کہا ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۞﴾

قرآن دنیا میں پہلی اور آخری کتاب ہے جس نے عقل کی تسلی کا سامان مہیا فرمایا۔ (ا) دعویٰ کیا تو دلیل بھی دی' تا کہ عقل مطمئن ہو سکے اور آپ قبول کر سکیں (ب) حکم دیا تو اس کی لِم بتائی' تا کہ عقل مطمئن ہو سکے اور آپ عمل کر سکیں۔ مثلاً قرآن نے کہا خدا دو نہیں ہو سکتے تو اس پر برہان بھی پیش کی: ''لَفَسَدَتَا!'' قرآن نے حکم دیا روزہ رکھو تو لِم بھی بتا دی: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

ایک بات اور عرض کر دوں' سارے قرآن کا اسلوبِ بیان منطقیانہ اور حکیمانہ ہے۔ اس کی قدر و قیمت یا خوبی کا اندازہ آپ کو اس وقت ہو سکتا ہے جب آپ مذاہبِ عالم کی مزعومہ الہامی کتابوں کا بغور مطالعہ کر لیں۔ تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا —— مسٹر بروہی نے مجھ سے کہا تھا دنیا ابھی تک آنحضرت ﷺ کی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکی' کیونکہ انہیں کوئی یا سویل نہیں ملا۔ میں کہتا ہوں دنیا ابھی تک قرآن حکیم کی خوبیوں کا اندازہ نہیں کر سکی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے لیکن ہم اللہ کے فضل سے تبلیغ و اشاعتِ قرآن کے بجائے قبروں کو گلاب اور روح کیوڑے کے عرق سے غسل دے رہے ہیں' یا کسی مشکل کشا کا دونا کھا رہے ہیں یا کسی دستگیر کی نیاز کھا رہے ہیں' یا غیر اللہ کو پکار رہے ہیں۔

اگرچہ قرآن نے عقل کو اس کا جائز مقام عطا فرمایا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تعقل' تفکر' تدبر اور تفقہ سے کام لیں تاہم ایمان کا معیار عقل کے بجائے محبت کو رکھا ہے' کیونکہ عقل کا بنیادی تقاضا اطمینان عطا کرنا نہیں ہے بلکہ شبہات پیدا کرنا ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ایمان کی نشانی عقل و خرد نہیں ہے' بلکہ حب الٰہی ہے' اور یہیں آ کر ہندو دھرم اور اسلام میں موافقت ہو جاتی ہے۔ اگر مسلمان اپنے عہدِ حکومت میں اس حقیقت کو شائع کر دیتے تو اسلام سے ہندوؤں کی نفرت بڑی حد تک دور ہو جاتی اور وہ اسلام کے قریب آ جاتے۔ اکبر نے اسی حقیقت کو یوں واضح کیا ہے۔

مذہب کی لیپ پوت سے دبتی نہیں ہے عقل
بس عشق ہی مٹاتا ہے اس کی کرید کو

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور علمِ قلیل کبھی غیر محدود کا ادراک نہیں کرسکتا' اس کا ذریعہ عشق ہے۔

انسان میں بنیادی faculties عشق اور عقل ہیں۔ قرآن نے دونوں کی اہمیت تسلیم کی ہے اور فرمایا ہے کہ:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۞ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾

(آل عمران: ۱۹۰'۱۹۱)

اللہ کا ذکر کرو' کائنات میں فکر کرو! یہ ہے صحیح طریق کار۔ مگر تیسری اور چوتھی صدی سے منافقین نے اصحاب العدل والتوحید کا نقاب پہن کر قرآنی طریق کو الٹا کر دیا۔ اس دشمنِ اسلام جماعت نے اللہ کی ذات میں فکر شروع کیا اور کائنات کا ذکر یعنی دنیا سے محبت کا درس دیا۔ یعنی وہ بحثیں شروع کیں جن کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ مثلاً ذاتِ باری تعالیٰ اور وجودِ باری تعالیٰ میں کیا فرق ہے؟ کیا خدا پر شے کا اطلاق ہوسکتا ہے؟ صفات کا ذاتِ باری تعالیٰ سے کیا رشتہ ہے؟ آیا وہ عینِ ذات ہیں یا غیر ذات ہیں؟ یا لا عین ولا غیر ہیں؟ یا زائد علی الذات ہیں؟ یا علاقہ فیما بین نا قابلِ تشریح ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں کہ ان کا تسلی بخش جواب نہ ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب سوالات وراء العقل ہیں۔ عقل تو مادیات میں چل سکتی ہے' جو ذات لامحدود اور ابدی ہے' اس میں وہ سراسر عاجز ہے۔ بقول اکبر ؎

انکشافِ رازِ ہستی عقل کے بس میں نہیں
فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے!

اور ؎

چلتی نہیں کچھ اپنی کوئی ہزار چاہے
ہوتا ہے بس وہی جو پروردگار چاہے!

بہر حال عقل کو قرآن نے اس کا جائز مقام عطا کیا ہے' اس کی مذمت نہیں کی بلکہ اسے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ تعقل' تفکر' تدبر اور تفقہ کی تلقین کی ہے لیکن اسے اس کی حد میں رکھنے کا بھی حکم دیا ہے۔ جب عقل مادیات میں کامل رہنما نہیں ہے' وہ نفسِ ناطقہ کی ماہیت نہیں سمجھ سکتی (اس لئے انکار کر دیتی ہے) تو خدا کی ماہیت کیسے سمجھ سکتی ہے؟ بقول اکبر ؎

عقلِ انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں
روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تُو ہے جانِ روح!

فلسفہ لاکھ کوشش کرے حقیقت سے واقف نہیں ہوسکتا' صرف مظاہر سے بحث کر سکتا ہے۔ کانٹ کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ ہمیں صرف مظاہر کا علم حاصل ہوسکتا ہے' حقیقت کا علم حاصل نہیں ہوسکتا ؎

کچھ نہیں کارِ فلک حادثہ پاشی کے سوا
فلسفہ کچھ نہیں الفاظ تراشی کے سوا!

ہیوم کہتا ہے کہ ہمیں نفسِ ناطقہ کا ادراک نہیں ہوسکتا' صرف impressions اور ideas کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔

خلاصۂ کلام اینکہ قرآن سراپا حکمت ہے' اس لئے اس نے حکمت' عقل و خرد اور فلسفے کو مردود قرار نہیں دیا' ہاں ان کو جائز حدود میں رکھا ہے۔ کیونکہ حقیقت کا ادراک وراء العقل ہے ؎

فلسفی بھی نوحہ گر ہیں ذہن کے مقسوم پر
رکھتے ہیں معلوم کی بنیاد نامعلوم پر!

مثلاً اشیائے مادّی کی اصل برق پارے ہیں اور اُن کی اصل نامعلوم ہے۔

۱) شخصیت انسانی کے تین پہلو ہیں۔ علم' جذبات اور ارادہ۔ تو علمی پہلو کی نشو و نما کے لئے قرآن نے غور و فکر' مشاہدے اور تجربے کا حکم دیا۔ جذباتی پہلو کی نشو و نما کے لئے اللہ سے محبت کا حکم دیا' کیونکہ ؎

عشقِ آں زندہ گزیں کو باقی است
و ز شرابِ جاں فزایت ساقی است

ارادی یا عملی پہلو کی تربیت کے لئے جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا!!

۲) انسان میں دو قوتیں یعنی faculties ہیں ذکر اور فکر دونوں کے وظیفے مقرر کر دیئے!

۳) اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگرچہ قرآن فلسفے کی درسی کتاب نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کتاب کو سمجھ کر روح کی گہرائیوں میں اتار لے تو بفضلِ خدا بہت بڑا فلسفی بن جائے گا۔ آزمائش شرط ہے ع

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشتی

استدراک

میری رائے میں قرآن کا اصلی اور بنیادی مقصد تو خدارسی ادراکِ ذات یا تحصیل و تحقیق ذات ہے اور اس کا ذریعہ تزکیہ نفس ہے جو اِس زمانے میں پوری مسلمان قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے خارج ہو چکا ہے۔ بلکہ بعض اسلامی جماعتیں اسے عجمی سازش اور افیون سے تعبیر کرتی ہیں۔ یعنی اپنے قلب کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس کرنا۔

اقبال کی رائے میں قرآن کا اصلی مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں کائنات اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے گوناگوں تعلقات کا شعور اجاگر کیا جائے۔ لیکن یہ قرآن مجید نوعِ انسانی کے لئے پیامِ آخریں بھی ہے اس لئے اس میں سب کچھ موجود ہے سیاست اور معیشت بھی ہے حکمت اور فلسفہ بھی تردید شرک بھی ہے اثباتِ توحید بھی ضابطۂ اخلاق بھی ہے اور قانونِ جنگ و صلح بھی۔

قرآن کو قرآن حکیم اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں از اوّل تا آخر حکیمانہ نکتے بیان کئے گئے ہیں اور خود قرآن نے حکمت کو ''خیر کثیر'' کہا ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۭ

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (البقرۃ:۲۶۹)

''جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے' اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ ان باتوں سے وہی سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں۔''

دنیا کی موجودہ مذہبی کتابوں میں صرف قرآن حکیم ہی وہ واحد یا تنہا کتاب ہے جو بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس موضوع پر میں نے ۱۹۳۸ء میں ۶۴ صفحات کا مقالہ لکھ دیا تھا۔ چنانچہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس عدیم المثال کتاب نے مصطلحاتِ فنون استعمال نہیں کی ہیں۔ میری رائے میں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پھر یہ کتاب ذکر کے لئے آسان نہ رہتی۔ اس کے باوجود مختلف علوم وفنون کے حقائق بیان کر دیئے ہیں۔ مثلاً فلسفے میں ایک بحث یہ ہے کہ قدیم ایک سے زیادہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ قرآنِ حکیم نے فیصلہ صادر فرمایا کہ قدیم یا واجب الوجود صرف ایک ہوسکتا ہے' ماسوی اللہ حادث یا ممکن الوجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ (فاطر:۱۵)

اب یہاں قرآن نے ممکن یا حادث کے بجائے فقیر یا محتاج کا لفظ استعمال کیا ہے اور واجب یا قدیم کے بجائے "الغنی الحمید" کی ترکیب استعمال فرمائی ہے۔ اسی طرح الوہیتِ مسیح کی تردید فرمائی تو یہ طریقہ استعمال کیا:

﴿مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ﴾ (المائدۃ:۷۵)

''مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا' اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اس کی ماں راست باز تھی' اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔''

پہلا قضیہ: خدا جسم نہیں' مادہ نہیں۔ غیر مجسم کھانا نہیں کھاتا' اس لئے خدا کھانا نہیں کھاتا۔
دوسرا قضیہ: خدا کھانا نہیں کھایا کرتا' مسیح کھاتے تھے اس لئے مسیح خدا نہیں ہوسکتے۔ یہ باتیں منطقی ہیں مگر اندازِ بیان آسان ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ